مذہبی رواداری : مفہوم اور تصور، قرآن واحادیث کی روشنی میں

ڈاکٹر مسرّت جہاں*

رواداری کے معنی برداشت کے ہیں اور مذہبی رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ مذہب سے متعلق جومختلف آراء اورنظریات ہیں ان کا احترام کیا جائے اور اپنے اندر دوسرے کی رائے سننے اور سمجھنے کی قوت برداشت پیدا کی جائے ، رائے کا اختلاف درحقیقت ایک فطری اور جبلی چیز ہے جس طرح دنیا بھر کے انسانوں میں رنگ، نسل اور زبان کا اختلاف پایا جاتا ہے اوراسے آیۃ من آیات اللہ قرار دیا جاتا ہے اسی طرح انسانی عقول اور مدارک میں اختلاف اوران کی وجہ سے رائے اورنظریات کا اختلاف پیدا ہونا بھی اللہ رب العزت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اورانسانی فطرت کا تقاضہ ہے،قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین (۱)

اوراگرآپ کے رب چاہتے تو لوگوں کوایک امت بنادیتے (لیکن ایسا منظور نہ ہوا اسلئے) ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

لیکن قرآن کریم واحادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے وہ احکام جن کے بارے میں شریعت نے واضح انداز میں بیان کردیا ہے اوران میں کسی قسم کا ابہام نہیں چھوڑا ان
احکام میں مزید غور وفکراوراس کے نتیجہ میں آپس میں اختلاف کوشریعت نے پسندنہیں کیا اور نہ ہی اس کی اجازت دی ہے،اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا
به ابراهیم و موسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه (۲)

اللہ تعالی نے تم لوگوں کے واسطے ہی دین مقررکیا جس کا اس نے نوح کوحکم دیا تھا اور جس کوہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اورجس کا ہم نے ابراہیم اورموسی کوحکم دیا تھا کہ اس دین کوقائم رکھنا اوراس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں اختلاف کی مذمت آئی ہے اس سے یہی اعتقادی اوراصولی احکام میں اختلاف مراد ہے،حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''معارف القرآن'' میں سورہ شوری کی آیت نمبر۱۵ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

* نگراں،شعبہ القرآن والسنۃ،جامعہ کراچی

''دین مشترک بین الانبیاء اصول عقائد یعنی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان اور اصول عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی پابندی ہے نیز چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ فریب، دوسروں کو بلا وجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیان سماوی میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں، اور یہ بھی نص قرآنی سے ثابت ہے کہ فروع احکام میں انبیاء کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: **لکل امة جعلنا منکم شرعة ومنهاجا**، اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفریق کی ممانعت مذکور ہے وہ وہی احکام الٰہی ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں انہی میں تفرق واختلاف حرام اور موجب ہلاکت امم ہے، حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس خط کے دائیں بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ دائیں بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کیے ہیں اور اس کے ہر راستے پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے، اور پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: **وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه** یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی کا اتباع کرو، (رواہ احمد والنسائی والدارمی، مظہری) اس تمثیل میں صراط مستقیم سے وہی دین قیم کا راستہ مراد ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آرہا ہے، اس کے اندر شاخین نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے اور انہی اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں آئی ہے''۔ (۳)

البتہ اجتہادی مسائل یعنی وہ مسائل جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح نصوص نہیں آئی ہیں ان میں اجتہاد کے ذریعہ مختلف آراء قائم کرنا اس کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اسی اختلاف کو حدیث میں رحمت قرار دیا گیا ہے اور یہ اختلاف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کبھی رونما ہو جاتا تھا، مثلاً غزوۂ خندق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ واپس تشریف لائے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے ہتھیار وغیرہ اتار دئے لیکن فرشتے تو بنوقریظہ سے نمٹ کر ہتھیار اتاریں گے، یہ سن کر آپ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بنوقریظہ کے علاقہ میں پہنچنے کا حکم دیا، اور اس موقعہ پر یہ جملہ ارشاد فرمایا:

لا يصلين احد العصر الا فى بنى قريظة (۴)

تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے گا مگر بنوقریظہ کے علاقہ میں جا کر۔

وہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی اور نماز عصر کا وقت ختم ہونے لگا، صحابہ کرامؓ نے مشورہ کیا کہ کیا ہونا چاہیئے؟ ایک فریق نے کہا کہ جب حضور نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ بنوقریظہ کے یہاں پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھی جائے تو اب راستہ میں نماز پڑھنے کا کیا جواز ہے؟ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ حضور کے حکم کا منشاء یہ تھا کہ ہمیں جلد از جلد عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے بنوقریظہ پہنچ جانا چاہئے اور عصر کی نماز وہاں پڑھنی چاہئے لیکن اب جبکہ ہم غروب سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے تو نماز عصر قضاء نہیں کرنی چاہئے چنانچہ اس فریق نے راستہ میں نماز عصر پڑھ لی اور پھر بنوقریظہ پہنچے۔

جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو دونوں فریق نے اپنا اپنا عمل پیش کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی کسی پر نکیر نہیں فرمائی کیونکہ دونوں فریق منشاء نبوی کی تعمیل میں کوشاں تھے (۵)۔

یہ اختلاف کوئی اصولی اور نظریاتی اختلاف نہیں تھا بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا منشاء سمجھنے میں اختلاف ہوگیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرف اشارہ کردیا کہ کہ میرے کسی بھی قول کی مراد سمجھنے میں دو رائے ہوسکتی ہیں اور یہ کوئی ناپسندیدہ امر نہیں، یہ اجتہادی اختلاف حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی ہوتا رہا اور پھر تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری میں اسی اختلاف کی بنیاد پر چار مشہور فقہی مذاہب وجود میں آئے، اور مسائل واحکام میں اختلاف کا سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔

یہ اجتہادی اختلاف تو واقعی امت کے لئے رحمت تھے، انہیں کبھی باہمی تفرقہ اندازی اور گروہ بندی کا ذریعہ نہیں بنایا گیا، اسلامی تاریخ پر اگر اس زاویہ سے نگاہ ڈالی جائے تو مذہبی رواداری، حلم، بردباری، دوسرے کی رائے کا احترام اور مخالفین کی بات برداشت کرنے کی ایسی مثالیں ملیں گی کہ اس زمانہ میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، ان میں سے چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱- علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین تقریباً سو کے قریب مسائل میں اختلاف تھا (۶) لیکن اس اختلاف کی وجہ سے ان کی باہمی محبت ومودت میں کوئی کمی نہیں آئی، یہی عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> **فانه كان للاسلام حصنا حصينا يدخل الناس فيه ولا يخرجون منه ،**
> **فلما اصيب عمر انثلم الحصن (۷)**
>
> عمر اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے لوگ اس میں داخل ہوتے تھے اور اس سے باہر نہیں نکلتے تھے، لیکن جب عمر کو شہید کردیا گیا تو یہ قلعہ ٹوٹ گیا۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کے جذبات کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھا سامنے سے حضرت ابن مسعودؓ تشریف لاتے ہوئے دکھائی دئے تو حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا:

کنیف ملئ علما آثرت به اهل القادسیة (۸)

ایک برتن ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے، میں نے انہیں اہل قادسیہ پر ترجیح دی ہے۔

۲- حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ میں میراث جد کے بارے میں بڑا شدید اختلاف تھا ایک مرتبہ تو حضرت ابن عباسؓ نے یہاں تک فرما دیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اور میں رکن ابراہیمی پر جمع ہوں اور اس پر ہاتھ رکھ کر مباہلہ کریں (۹) لیکن ایک دوسرے سے محبت اور احترام کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ کو دیکھا کہ سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے ان کی سواری کی لگام پکڑ لی اور لگام پکڑ کر آگے آگے پیدل چلنا شروع کر دیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا کہ اے ابن عم رسول! ہٹئے یہ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ اسی احترام کا حکم دیا گیا ہے، یہ سن کر حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اپنا ہاتھ دیں حضرت ابن عباسؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے فوراً اسے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اپنے نبی کے اہل بیت کے ساتھ اسی احترام کا حکم دیا گیا ہے (۱۰)۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام آپس کے علمی اختلاف کے باوجود عام معاملات اور معاشرت میں ایک دوسرے کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھا کرتے تھے۔

لوگ فقہاء کرام رحمہم اللہ کے باہمی اختلاف کو کس انداز سے اچھالتے ہیں اور ایک امام کے مقلد دوسرے امام اور ان کے مقلدین پر نعوذ باللہ کیا کچھ طعن و تشنیع نہیں کرتے، لیکن اگر ہم ان ائمہ دین کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو وہ ان سب کچھ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

۳- لیث ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کو دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ صاف فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ ابو حنیفہ کی وجہ سے پسینہ آ گیا بیشک وہ تو عظیم فقیہ ہیں، لیث فرماتے ہیں پھر میں امام ابو حنیفہ سے ملا اور ان سے عرض کیا کہ امام مالکؒ آپ کی بڑی تعریف کرتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے مالک سے زیادہ سریع الجواب کسی کو نہیں پایا (۱۱)۔

۴- امام شافعیؒ امام مالکؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

مالک ابن انس معلمی وعنه اخذت العلم واذا ذکر العلماء فمالک کاالنجم"(۱۲)

مالک بن انس میرے استاذ ہیں اور انہی سے میں نے علم حاصل کیا ہے اور جب علماء کا ذکر کیا جائے گا تو امام مالکؒ ان میں چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہوں گے۔

۵- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام شافعیؒ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ امام احمدؒ کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ ابا جان! امام شافعیؒ کیسے آدمی تھے؟ آپ اکثر ان کے لئے دعا کیا کرتے رہتے ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ بیٹا! امام شافعیؒ دنیا کے لئے سورج کی طرح اور لوگوں کے لئے عافیت کی مانند تھے، تم بتاؤ سورج اور عافیت کا کوئی بدل ہوسکتا ہے؟ (۱۳)

۶- زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور اس سلسلہ میں ان دونوں اکابر کے نظریات میں کیا بون بعید تھا وہ بھی سب پر آشکارا ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود ان حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں کیا رائے تھی؟ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور مذہبی رواداری کی اس زمانہ میں اس سے بہتر شاید ہی کوئی نظیر ہو، حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''میں مولانا سید حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ حجت رفع ہوجائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنی سپاہی بن کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ (۱۴)

اور حضرت مدنیؒ حضرت تھانویؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ تو حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم واحترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو طفل دبستان کو افلاطون سے ہوسکتی ہے .... میں مولانا کو اپنا مقتدی اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں'' (۱۵)۔

یہ ان حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں رائے ہے جن کے نام لیوا کانگریس اور مسلم لیگ کے عنوان سے عرصہ تک باہم دست وگریبان رہے اور آج بھی ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

اس زمانہ میں مذہبی رواداری کی ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے اس کی اہمیت اور ضرورت روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے، آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں رفتہ رفتہ مذہبی رواداری ختم ہوتی جارہی ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے درمیان جو تفرقہ بازی اور گروہ بندی ہورہی ہے وہ ہمیں دیمک کی طرح چاٹتی جارہی ہے، کہیں حنفی شافعی کا جھگڑا ہے کہیں سنی شیعہ کا جھگڑا کہیں دیوبندی بریلوی کا اختلاف اور کہیں مقلد و غیر مقلد کا نزاع، نتیجہ یہ ہے کہ ہم سب ایک کلمہ گو ہونے اور ایک نبی کے امتی ہونے کے باوجود انتشار اور افتراق کا شکار ہیں، ہمارا دشمن توپ وتفنگ سے جو کام نہیں لے سکا وہ ہم نے مذہبی رواداری کو ترک کر کے کرلیا، حالانکہ جن لوگوں کے نام لے لے کر باہم دست وگریبان ہیں ان کا اپنے مخالفین کے ساتھ کیا معاملہ تھا اس کی ایک جھلک پیچھے آچکی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''احکام و مسائل میں اختلاف تو بیحد ہیں لیکن اگر ہر دو مسلمان جو اختلاف رکھتے ہیں وہ باہمی تعلق کو بھی منقطع کرلیں تو پھر مسلمانوں میں نہ کوئی بھائی چارہ باقی رہیگا اور نہ ہی جان و مال کی عصمت وحفاظت (۱۶)۔

اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الانتقاء'' میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

> ''ہم جو کچھ پیش کرتے ہیں یہ ایک رائے ہے ہم کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ پیش کرے (۱۷)۔

امام صاحبؒ کے یہ الفاظ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اور اس سے اختلاف کی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

ان ارشادات اور واقعات کی روشنی میں مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لئے کچھ اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱- اعتقادی اور اصولی مسائل میں اختلاف کرنا مذموم ہے، ان کے بارے میں قرآن وسنت میں جو صریح احکام منقول ہیں انہی کے مطابق عقیدہ و نظریہ رکھنا ضروری ہے۔

۲- اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔

۳- جو بھی رائے اختیار کی جائے وہ نیک نیتی سے اختیار کی جائے، اتباع ہوی مقصود نہ ہو۔

۴- اختلاف کو اختلاف ہی کی حد تک رکھا جائے اسے مخالفت اور باہمی افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

۵- اپنی رائے کو زبردستی کسی پر مسلط نہ کیا جائے۔

۶- دوسرے کا موقف غور سے سنا جائے اور اسے برداشت کیا جائے۔

۷۔ اپنی رائے کو دلائل سے مبرہن کر کے دوسروں کے سامنے پیش کر دیا جائے لیکن اسے قبول کرنے پر اصرار نہ کیا جائے۔

۸۔ ایسی باتوں اور ایسے افعال سے احتراز کیا جائے جو فریق مخالف کی دل شکنی کا باعث ہوں۔

۹۔ فریق مخالف کے دیگر معاشرتی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور باہمی مقاطعہ اور قطع تعلق سے مکمل احتراز کیا جائے۔

یہ اصول مذہبی رواداری کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کریں گے، ان اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر کوئی رائے قائم کی جائے گی تو انشاء اللہ وہ امت کے لئے رحمت ہی کا باعث بنے گی۔

حوالہ جات:

۱۔ القرآن ۱۱۸:۶

۲۔ القرآن ۱۵:۴۲

۳۔ محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۹۴ء، ج ۷، ص ۶۷۸

۴۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، دمشق، دار ابن کثیر، ۱۹۹۰ء، ج ۱، حدیث نمبر ۹۰۴ ص ۳۲۱

۵۔ احمد بن حسین البیہقی، دلائل النبوۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۵ء، ج ۴، ص ۷

۶۔ محمد بن ابی بکر ابن القیم، اعلام الموقعین، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ج ۲، ص ۲۱۸

۷۔ محمد ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ، ج ۶، ص ۶۱

۸۔ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ۱۹۵۸ء، ج ۴، ص ۱۶۱

۹۔ محمد عوامہ، ادب الاختلاف فی الاسلام، بیروت، دار البشائر الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۶۵

۱۰۔ علی المتقی، کنز العمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ج ۷، ص ۳۷

۱۱۔ یوسف بن عبد البر، الانتقاء، شام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ عاشق الٰہی البرنی، تکملۃ الاعتدال فی مراتب الرجال، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ احمد بن عبدالحلیم (ابن تیمیہ)، مجموع فتاوی ابن تیمیہ، مکۃ المکرّمۃ، مطبعۃ الحکومۃ مکۃ المکرّمۃ، ۱۳۸۱ھ، ج ۲۴، ص ۱۷۳

۱۷۔ یوسف بن عبدالبر، الانتقاء، شام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۰